''من پدرگم کردہ ام''

مولانا طلحہ منیر صاحب، فاضل جامعہ

جامعہ علوم اسلامیہ کا نام اپنے حفظ کے زمانہ میں سنا تھا کہ عالم اسلام کی مرکزی جامعہ ہے اور بغیر دیکھے ہی دل میں یہ خیال راسخ ہوگیا تھا کہ آئندہ تعلیم وہاں حاصل کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوا اور بندہ ۱۹۹۴ء میں اس عظیم دینی درسگاہ سے منسلک ہوگیا۔

داخلہ کی کارروائی میں ایک مرحلہ انٹرویو کا بھی آیا اور پتہ چلا کہ مسجد کے ہال میں جاکر اس مرحلہ سے گزرنا ہوتا ہے۔ وہاں طلبہ ایک قطار میں بیٹھے تھے میں بھی جا بیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی باری آگئی اور میں بھی جائزہ لینے والے استاذ محترم کے روبرو جا بیٹھا۔ جن کی کشادہ پیشانی، سیاہ گھنی داڑھی اور ذہانت وفراست سے پُر نگاہیں ایک لمحہ ہی میں حافظہ خیال میں نقش ہوگئیں، کچھ سوالات ہوئے اور داخلہ کی کارروائی مکمل ہوگئی۔ طلبہ سے معلوم ہوا کہ یہ جامعہ کے استاذ اور ناظم حضرت مولانا عطاء الرحمٰن صاحب (نوراللہ مرقدہٗ) ہیں۔ اس بات کو لگ بھگ بیس برس ہوگئے ہیں لیکن جب ذرا آنکھیں بند کرتا ہوں تو یہ سارا منظر اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ نگاہوں میں پھرنے لگتا ہے۔

یہ حضرت مولانا سے میری پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد کبھی جامعہ کی مسجد میں، صحن میں، دفتر میں یا درسگاہ میں آتے جاتے حضرت سے ملاقات ہوجاتی اور میں بھی دیگر طلبہ کی طرح حضرت سے مصافحہ کرلیتا۔ اس زمانہ میں جامعہ میں طلبہ کا وہ ہجوم نہیں تھا جو آج الحمدللہ نظر آتا ہے۔ کراچی کے شہری طلبہ گو کہ بہت کم بھی نہیں ہوتے تھے مگر پھر بھی آجکل کے مقابلہ میں کم ہی ہوتے تھے تقریباً روزانہ ہی حضرت کی زیارت ہوجاتی تھی لیکن حضرت کی ذاتی وجاہت اور بارعب چہرے کی بنا پر نہ جانے کیوں ایک رعب سا رہتا تھا اور قریب ہونے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اسی اثناء میں عیدالاضحیٰ کا وقت قریب آگیا واقفین حال جانتے ہیں کہ جامعہ میں عیدالاضحیٰ سے پہلے چرم قربانی جمع کرنے کی ترتیب کیسے بنتی ہے اور پھر عین عیدالاضحیٰ کے دنوں میں چرم قربانی کس دینی ولولہ سے جمع کی جاتی

ہیں، اور وہ زمانہ تو مفتی عبد السمیع صاحب شہید نور اللہ مرقدہٗ کا تھا۔ مفتی صاحب میں جامعہ کی خدمت، اس کی ترقی کا بے لوث جذبہ تھا اور یہی جذبہ ان کے رفقاء کار میں بھی نظر آتا تھا۔ انہی دنوں بندہ نے دیکھا کہ مفتی صاحب شہید نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ جو اساتذہ جامعہ کی اس خدمت میں پیش پیش ہیں ان میں حضرت مولانا امداد اللہ صاحب اور حضرت مولانا عطاء الرحمٰن شہید بھی ہیں۔

بندہ کے ذمہ بھی اپنے محلہ میں چرم قربانی جمع کرنا طے پایا۔ اور خوبی مقدر یہ کہ ہمارے حلقہ کے نگران حضرت مولانا عطاء الرحمٰن صاحب طے پائے۔ اس وقت حضرت سے کچھ گفتگو ہوئی، آپ کی شفقت، محبت محسوس کی، کچھ حجاب ختم ہوا۔ حضرت کی عنایات، بے پایاں الطاف بڑھتے رہے اور پھر روز بروز آپ کی محبت دل و جاں میں پیوست ہوتی رہی تا آنکہ مؤرخہ 20/اپریل بروز جمعۃ المبارک حضرت ہم سب کو سوگوار چھوڑ کر اپنے پروردگار سے جا ملے۔

حضرت کی تدفین اور حضرت کے اعزہ سے تعزیت کے لیے حضرت کے آبائی گاؤں بابوزئی اباخیل ضلع مردان جارہا تھا اور ذہن میں ان تمام واقعات کا ایک ہجوم تھا۔ اور مولانا سے متعلق یادداشتوں کا نہ تھمنے والا ایک سلسلہ تھا۔

کیا کیا لکھوں! مولانا کی وجاہت ورعنائی، مولانا کی گونج دار آواز، جامعہ سے عشق کی حد تک لگاؤ، جامعہ کے لیے اپنا تن، من، دھن لگانا، تدریس پر عبور، طلبہ پر شفقت، ایک ایک کا خیال، ایفاءِ عہد، تواضع، للّٰہیت، فنائیت ہر ایک چیز اس کی متقاضی ہے کہ صفحات کے صفحات اس پر لکھے جائیں۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

بہر حال یہ حضرت کے سوانح نہیں بلکہ ایک غم زدہ دل کی تسلی کے لیے اپنے محبوب استاذ کا کچھ تذکرہ ہے:

قِفا نبکِ من ذکری حبیب و منزل
بِسقط اللوی بین الدخول فحو مل

یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ سانحہ ہو گیا ہے اور مولانا اب ہم میں نہیں رہے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ ابھی فون کی گھنٹی بجے گی اور مولانا اپنے مخصوص انداز میں گفتگو فرمائیں گے۔

جمعہ کے دن مغرب کے بعد حضرت مفتی مزمل حسین صاحب (نائب مدیر اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ) سے یہ روح فرسا خبر سنی تو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا، بے تابانہ جامعہ کی طرف چل پڑا وہاں پہنچا تو ہر طرف سے آہوں اور سسکیوں کی آواز نے بتا دیا کہ وہ حادثہ رونما ہو چکا ہے جس کی خلا کا پر ہونا صرف مشیت ایزدی ہی سے ہو سکتا ہے۔

حضرت مولانا بندہ کے استاذ ہیں بندہ نے ان سے سب سے پہلے ''شرح جامی'' پڑھی۔ علوم عربیہ سے واقفیت رکھنے والوں سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ شرح جامی علم النحو کی کس درجہ کی کتاب ہے اور کس قدر ادق مباحث اس کتاب میں موجود ہیں۔

مولانا سے پہلے یہ کتاب مفتی عبدالسمیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے پاس ہوا کرتی تھی۔ مفتی صاحب کی شہادت کے بعد یہ کتاب حضرت مولانا کے پاس منتقل ہوئی تھی۔ حضرت نے اس کتاب کو ایسا پڑھایا گویا حق ادا کر دیا۔ اس کے بعد سابعہ تک تقریبا تمام درجوں میں مولانا سے کچھ نہ کچھ پڑھنے کا شرف حاصل رہا۔ مولانا کا انداز تدریس بہت عام فہم اور نرالا تھا۔ اکثر درس کے دوران درسگاہ کے آخر میں بیٹھنے والے طلبہ کی طرف دیکھ کر فرماتے کہ میں انکو سمجھا تا ہوں صرف ذہین طلبہ کے سر ہلانے پر مطمئن نہیں ہوتا۔ حضرت بلا کے زیرک تھے۔ طلبہ کے چہروں سے اندازہ لگا لیتے کہ سبق سمجھ میں آرہا ہے کہ نہیں کبھی کبھی اپنے مخصوص انداز میں کسی سے گویا ہوتے کہ ''مولوی صاحب یہ صرف آپ کے لیے'' اور پھر دوبارہ سبق کی تقریر فرماتے۔ جب تک خود کو اطمینان نہ ہو جاتا کہ طلبہ سمجھ گئے ہیں بار بار اس مقام کی تقریر فرماتے۔

دوران درس برمحل اور برجستہ اشعار سناتے جسے بندہ اپنی کاپی میں قلم بند کر لیتا اور بعد میں کبھی حضرت کو سناتا تھا کہ حضرت یہ آپ سے سنا تھا تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا کرتے تھے، کبھی کوئی نصیحت کی بات، کبھی کوئی لطیف نکتہ سناتے اور فرمایا کرتے کہ مولوی صاحب یہ بھی کام کی باتیں ہیں، انہیں اچار چٹنی نہ سمجھا جائے کہ چٹخارہ لیا اور بس بلکہ ان پر عمل کی بھی ضرورت ہے۔ باوجود اپنے بلند مرتبہ اور تدریسی تجربہ کے نچلے درجات میں سبق پڑھانے کو محبوب رکھتے تھے اور ان چھوٹے طلبہ کی تربیت فرماتے تھے۔

مولانا کی شخصیت میں ایک جاذبیت تھی، محبوبیت تھی، جس کو حضرت کا قرب نصیب ہوتا وہ اپنے دل میں مولانا کے لیے محبت محسوس کرتا تھا۔ بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ کئی بار صرف اس لیے کہ مولانا کی زیارت ہو جائے، مولانا سے کچھ بات چیت ہو جائے، کسی کتاب کو لے کر مولانا کے پاس چلا جاتا کہ حضرت یہ مقام ذرا سمجھا دیجیے اور مولانا پوری بشاشت سے دن رات کے کسی بھی پہر میں اس مقام کی تقریر فرمانے لگتے تھے۔ یوں تو مولانا کی شفقت تمام ہی طلبہ پر ہوا کرتی تھی مگر، وہ طلبہ جن کے گھروں کا ماحول دینی نہ ہو یا ان کے حالات نامساعد ہوں یا شہری ہونے کی بنا پر ان کے خاندان میں علم دین حاصل کرنے کا رواج نہ ہو ان پر ہمیشہ مولانا کی خصوصی شفقت رہا کرتی۔ اور حضرت ہر طریقہ سے ان کا خیال فرمایا کرتے۔ طلبہ کے مدرسہ نہ آنے پر ان کے گھروں پر جا کر ان کو سمجھانا، ان کی ہمت بڑھانا ان کو دوبارہ مدرسہ میں لانا مولانا کا معمول تھا۔

آج مولانا کی ان روحانی اولادوں کے حافظوں میں حضرت کی شفقت کے لاتعداد

واقعات محفوظ ہوں گے بندہ نے بھی حضرت کی شفقتوں سے خوب استفادہ کیا ہے۔ امتحانات کے دنوں میں جب بندہ مدرسہ میں مقیم ہوتا تو حضرت پوچھتے صبح ناشتہ کی کیا ترتیب ہے؟ اور بندہ کہتا کہ حضرت ناشتہ تو آپ کے گھر ہوگا اور حضرت خوشی سے فرماتے، ''بس یہی سننا تھا'' اور صبح حضرت کے دسترخوان پر حضرت کے گھر میں پُر تکلف ناشتے کا بندوبست ایک ایسے طالب علم کے لیے ہوتا جو نہ تین میں تھا نہ تیرا میں، اور میں ہی کیا حضرت سے تعلق رکھنے والے تمام ہی طلبہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ حضرت استاذ محترم کے روحانی احسانات کی طرح جن کا شمار ہی ممکن نہیں حضرت کے مادی احسانات بھی اتنے ہی وقیع اور ناقابل فراموش ہیں۔ بات سے بات نکلتی ہے درجہ سابعہ میں بندہ حضرت کے ایماء پر ایک مسجد میں شام کے اوقات میں کچھ پڑھانے جایا کرتا تھا۔ مسجد کے احباب نے اس وقت کا کچھ معاوضہ دینا چاہا جو بندہ نے قبول نہیں کیا، حضرت کو اطلاع ہوئی مجھے بلوایا اور فرمایا کہ یہ معاوضہ میرے کہنے پر طے ہوا ہے لے لو۔ اور مجھ سے فرمایا کہ میں تمہیں اور ان لوگوں کو اپنی مسجد بلوالوں گا اور وہاں میں ان سے یہ معاضہ تمہیں دلواؤں گا۔ تعمیل حکم کے علاوہ چارہ کار نہیں تھا وقت مقررہ پر بندہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوگیا اور ان صاحب سے معاوضہ لے لیا۔ واپسی کے سفر میں اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ کسی نے جیب پر ہاتھ صاف کرلیا۔ اگلے دن میں نے استاذ محترم کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو حضرت نے فرمایا'' کچھ چیزوں کا پاس نہ رہنا ہمارے لیے اچھا ہوتا ہے، غم کی کوئی بات نہیں۔'' کچھ ہی دنوں بعد امتحانات کے نتائج کے بعد اچھے نتیجہ کی خوشی میں حضرت نے اپنی جیب سے اتنی ہی رقم عطا فرمادی اور یوں گویا اس غم کی تلافی فرمادی۔

حضرت کی غیور طبیعت کا احساس ہے وگرنہ کتنے ہی واقعات ایسے ہیں جن کا تذکرہ کرنے کو دل مچلتا ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ حضرت نے ساری زندگی ان تمام طلبہ سے محبت میں اخلاص اور بے غرضی کو بنیاد بنایا تھا اور حضرت اپنی حیات میں بھی اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ان واقعات کا افشا ہو۔ چنانچہ بس اسی ایک واقعہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت مولانا کی ایک نمایاں خصوصیت اُن کی معاملہ فہمی اور ایمانی فراست تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت کو اس سلسلہ میں وہ ملکہ حاصل تھا کہ آپ کی نگاہ کھرے اور کھوٹے میں فوراً ہی فرق کرلیا کرتی تھی۔ لہٰذا آپ کے متعلقین اپنے ذاتی معاملات بھی آپ سے رجوع کیا کرتے تھے اور حضرت بھی ایسے لوگوں سے جو حضرت سے اپنے کسی ذاتی کام کے سلسلہ میں مشورہ کرتے تھے'' لمستشار مؤتمن'' کے مصداق صائب رائے دیا کرتے تھے اور اس بات پر کہ اپنا سمجھ کر ان سے مشورہ کیا گیا ہے بہت خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔

میں کیسے بھول جاؤں کہ صرف ایک فون کال پر جب بندہ نے حضرت سے کہا کہ حضرت حج پر

جانا ہے اور اس سلسلہ میں آپ سے مشورہ کرنا ہے تو کس خوشی سے پہلے تو حضرت نے مبارکباد دی اور پھر پوچھا کہ آپ کہاں ہیں۔ میرے بتانے پر فرمایا کہ بس میں بھی قریب ہی ہوں آپ سڑک پر آجائیں اور مل لیں۔ رات کے اس پہر میں مولانا اپنے مخلص رفیق اور خادم مولانا سہیل صاحب کے ساتھ موٹر سائیکل پر تشریف لائے۔ بندہ نے کہا حضرت آپ کو بڑی زحمت ہوگئی۔ فرمایا نہیں خوشی ہوئی کہ آپ نے مشورہ کے لیے مجھ پر اعتماد کیا اور پھر میری بات سن کر اپنی رائے دی اور تشریف لے گئے۔

اور میں اس سوچ میں غرق کہ کیا میرے لیے بھی ممکن ہے کہ اپنے کسی چھوٹے کی صرف ایک فون کال پر یوں دوڑا چلا آؤں۔ یقیناً نہیں۔ باوجودیکہ میری مشغولی کا ذمہ داری کا حضرت کی مشغولیوں اور ذمہ داریوں سے کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔ لیکن اس کا کیا کریں کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھیجتا ہی اس لیے ہے کہ وہ انسانیت کے لیے ایک مثالی نمونہ بنیں۔ لوگوں کو اخلاق اور انسانیت کا بھولا ہوا سبق یاد دلائیں۔ ایسے لوگوں کے اپنے اور پرائے سبھی معترف ہوتے ہیں۔ ہمارے حضرت کا بھی یہی حال تھا۔

ذاتیات اور اغراض سے بلند و بالا ہوکر اپنے متعلقین کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا خیال رکھنا، ان کے مزاج کی رعایت کرنا، حضرت مولانا کا خاصہ تھا۔ اس ضمن میں اگر لکھنا شروع کردوں تو ایک دفتر جمع ہوسکتا ہے۔

قارئین کے لیے شاید اس میں کوئی چاشنی نہ ہو لیکن میرا دل مجھے اس بات کی اجازت نہیں دے رہا کہ میں حضرت کی زندگی کے اس عظیم پہلو سے صرف نظر کرکے گزر جاؤں۔ یہ واقعتاً حضرت کی کرامت ہی تھی کہ حد درجہ مشغولی کے باوجود نہ صرف حضرت کو اپنے متعلقین کی خبر رہتی تھی بلکہ ان کی راحت رسانی کے ہر ممکن کام کا صدور حضرت سے ایسے ہوتا تھا کہ عقل دنگ رہ جاتی۔

ہمارے تخصص کے سال حضرت پر عرق النساء کا شدید حملہ ہوا۔ وہ دن ویسے بھی بڑے عجیب تھے۔ حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہید نور اللہ مرقدہٗ کی شہادت کا سانحہ تازہ تازہ تھا۔ جامعہ کے در و بام پر ایک غم و مایوسی کی چادر تھی ہر ایک مفتی صاحب کی رحلت پر افسردہ تھا۔ اور حضرت مولانا پر تو غم کی ایک الگ ہی کیفیت تھی کہ حضرت کا حضرت مفتی صاحب سے ایک الگ ہی رشتہ تھا گو کہ حضرت مولانا مفتی صاحب کے شاگرد نہیں تھے لیکن مفتی صاحب کی عزت ایسے ہی کرتے تھے جیسے ایک شاگرد استاذ کی عزت کرتا ہے بارہا بندہ نے حضرت مولانا کو حضرت مفتی صاحب کی چپل سیدھی کرتے دیکھا اور دوسری جانب حضرت مفتی صاحب کو حضرت مولانا سے محبت تھی اور حضرت مولانا کی آمد پر حضرت مفتی صاحب کا رخِ انور پھول کی طرح کھل جاتا تھا۔ بندہ نے حضرت مفتی صاحب کی شہادت سے پہلے کئی دفعہ تخصص کی درسگاہ میں حضرت مفتی صاحب کو سوچ میں ڈوبا ہوا بیٹھے دیکھا اور پھر حضرت مولانا کی آمد پر حضرت کے رخِ انور کو پھول کی طرح کھلتے دیکھا۔

حضرت مفتی صاحب کے یہ الفاظ آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں کہ ''مولوی صاحب! ہمارے مولانا کے لیے اچھی سی چائے لاؤ''، پھر مولانا ہوتے، مفتی صاحب ہوتے مولانا امداد اللہ صاحب بھی اکثر اس نشست میں شریک ہوتے کبھی کبھار مفتی جمیل خان شہید صاحب نور اللہ مرقدہٗ بھی ہوتے اور خوش مزاجی اور دل بستگی کا ایک دور دورہ ہوتا۔ اب تو ان حضرات میں سے سوائے حضرت مولانا امداد اللہ صاحب متعنا اللّٰہ بطول بقائہ فینا کے سوا سارے ہی حضرات اپنے پروردگار کے جوار رحمت میں پہنچ چکے ہیں۔ اللہ کے فضل سے کیا بعید کہ اب یہ مجلس وہاں لگتی ہو جس کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے'' مالا عینٌ رأت ولا أذن سمعت'' فرمایا ہے۔

ایک طرف تو حضرت مفتی صاحب کی رحلت کا غم دوسری جانب حضرت مولانا پر درد کا شدید حملہ کئی دن حضرت مولانا جامعہ کے مہمان خانہ میں مقیم رہے۔

اپنے گھر جو کہ جامعہ کے سامنے ہی ہے تشریف نہ لے جا سکے۔ انہی دنوں ایک طالب علم بندہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ کو استاذ جی بلا رہے ہیں بندہ مہمان خانہ گیا تو حضرت نے فرمایا کہ گھر سے چائے آئی ہے آپ کے لیے رکھی ہے پی لیں۔ اور یہ صرف اس پر ہے کہ ایک دفعہ بندہ نے حضرت سے کہا تھا کہ حضرت آپ کے گھر جیسی چائے کہیں نہیں پی، بہت مزیدار ہوتی ہے۔

خدانخواستہ اس واقعہ کے ذکر سے مقصود اپنی کسی فضیلت کا اظہار نہیں، یہ صرف اس خدا رسیدہ بزرگ کی زندگی کی ایک جھلک ہے۔ کہ ایک دفعہ کے تذکرہ پر حضرت کے ذہن میں یہ بات رہ گئی اور اس بیماری کے عالم میں بھی یہ بات حضرت کے ذہن سے فراموش نہ ہوئی۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

اپنے متعلقین کی خوشی کی خاطر باوجود حالات کی خرابی اور بدامنی کے حضرت کا ان کی خوشی، غمی میں شریک ہونا، صرف ملاقات کے لیے مستقل سفر کرنا جماعتوں میں نکلے ہوئے طلبہ کی نصرت کرنا، آنے والے مہمانوں جن میں اکثریت طلبہ ہی کی ہوتی ان کے خیال میں دیر تک ان کے ساتھ بیٹھے رہنا، ان کے لیے دسترخوان وسیع کرنا اور سارا دن جامعہ میں موجود رہ کر جامعہ کے تعلیمی اور انتظامی معاملات کی دیکھ بھال کرنا اور اپنے آرام وراحت کا بالکل خیال نہ رکھنا حضرت کی ایسی خصوصیات ہیں کہ بھلائے نہیں بھولتیں۔

سال گزشتہ کے ماہِ دسمبر میں بندہ کا ویسٹ انڈیز (جزائر غرب الہند) کا سفر طے ہوا جہاں بندہ کی دو بہنوں کا سسرال بھی ہے یہ سفر ان لوگوں سے ملاقات اور تیسری ہمشیرہ کی نکاح کی تقریب کے سلسلہ میں تھا۔ میرے بہنوئی بھی حضرت کے شاگرد حضرت کے عاشق زار اور حضرت کے خصوصی

متعلقین میں سے ہیں۔ ان حضرات نے حضرت مولانا سے فرمایا کہ آپ بھی تشریف لائیں کیوں کہ ہماری خواہش ہے کہ نکاح آپ پڑھائیں۔ حضرت کا ان دنوں برطانیہ جانے کا ارادہ تھا، بکمال شفقت اس دعوت کو قبول کیا۔

ویسٹ انڈیز کے جزیرے ٹرینیڈاڈ تشریف لے گئے بندہ بھی ایک طویل سفر کرکے وہاں پہنچا اور یوں زندگی کے کچھ حسین ترین دن حضرت مولانا کی رفاقت میں گزرے۔ اس جزیرہ میں مسلمانوں کی آبادی بہت زیادہ نہیں ہے البتہ تبلیغ کی محنت ہورہی ہے جماعتیں کام کرتی ہیں مساجد موجود ہیں اور بہرحال کچھ نہ کچھ مسلمان بھی ہیں۔

اسی جزیرہ میں میرے ان عزیزوں کا ایک مدرسہ ہے، اقرأ کی ترتیب پر ایک اسلامی اسکول اور مسجد بھی ہے جہاں الحمدللہ وہ اپنی وسعت سے بڑھ کر دین کا کام کررہے ہیں۔ اس ادارہ میں پورے ملک سے طلبہ و طالبات تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ حضرت مولانا کو ان نامساعد حالات میں دین کا کام کرنے والوں سے ایک خاص محبت تھی۔ چنانچہ مولانا نہ صرف ان کے استفسار پر ان کی راہنمائی فرماتے بلکہ اس ادارہ کو اپنا سمجھتے ہوئے ازخود بھی ان کی راہنمائی فرمادیتے۔ تقریباً دو ہفتے صبح، شام، دن رات حضرت کے ساتھ گزرے۔ کیا عرض کروں کہ اس سفر کی یادوں کے کیسے کیسے دیپ ہیں جو ان شاءاللہ تادمِ مرگ اس حقیر کے دل میں روشن رہیں گے۔

مولانا کا تہجد میں اُٹھ کر نماز میں مشغول ہونا، ازخود مدرسہ کے تمام امور میں دلچسپی لینا ان کے لیے نصاب کی تیاری میں سرپرستی کرنا، اپنی طرف سے پوری کوشش کرنا کہ ان کی وجہ سے کسی کو مشقت نہ ہو، وہاں رہتے ہوئے بھی پاکستان کے تعلق والوں سے مستقل رابطہ رکھنا۔ طویل طویل سفر کرکے مختلف جگہوں پر جاکے دعائیں کرنا کہ وہاں مدرسہ بنے، مسجد بنے دین کا کام شروع ہو دارالعلوم ٹرینیڈاڈ میں جاکر بیان کرنا جہاں کے موجودہ مہتمم مفتی وسیم صاحب بھی حضرت کے شاگرد ہیں۔

ان میں سے کچھ بھی تو ایسا نہیں جسے فراموش کرسکوں۔ اسی سفر کے دوران مولانا کے لیے ایک بلاوا بارباڈوز سے بھی آیا جو ویسٹ انڈیز کا ایک جزیرہ اور مستقل ملک ہے۔ مولانا چند دنوں کے لیے وہاں بھی تشریف لے گئے اور وہاں کے لوگوں نے خصوصیت سے گجراتی احباب نے حضرت مولانا سے خوب استفادہ کیا۔

مولانا نے بندہ سے فرمایا کہ میرا بارباڈوز کا سفر حرم کی برکت سے ہوا ہے اور پھر خود ہی فرمایا کہ ایک دفعہ میں حرم مکی میں زمبیا کے احباب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، ان کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا اس نے مجھ سے کہا ''تم بارباڈوز نہیں آتے؟'' میں نے کہا ضرور آؤں گا۔ بس یہی وہاں کے سفر کا وسیلہ بن گیا وگرنہ وہاں کے ویزے کا حصول آسان نہیں ہے۔

گو کہ اصلاً مولانا کراچی سے انگلینڈ کے لیے نکلے تھے اور وہاں مختلف شہروں میں مشتاقین شدت سے آپ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے لیکن مولانا نے زیادہ عرصہ وہیں ویسٹ انڈیز میں گزارا اور فرمایا کہ ان لوگوں کا خلوص اور محبت جانے نہیں دیتا۔

آخر میں چند دن کے لیے انگلینڈ بھی تشریف لے گئے اور وہاں سے سعودیہ عرب پہنچے اور عمرہ کی سعادت اور حرمین کی حاضری کے بعد پاکستان پہنچے۔

اس کے علاوہ کئی ممالک کا سفر حضرت نے صرف بلانے والوں کے خلوص اور محبت پر قبول فرمایا اور وہاں تشریف لے جا کر دین کا کام کرنے والوں کا حوصلہ بڑھایا۔ زمبیا، ساؤتھ افریقہ کے کئی اسفار فرمائے وہاں جامعہ کے فضلاء نے جو مدارس قائم کر رکھے ہیں ان کے دورے کیے وہاں قیام فرمایا، سرپرستی فرمائی۔

حرمین سے بھی حضرت کو خصوصی لگاؤ تھا، حضرت کی اور حضرت کے دیرینہ رفیق حضرت مولانا امداد اللہ صاحب کی آرزو ہمیشہ سے یہی رہتی کہ کہیں کا بھی سفر ہو کوئی ترتیب ایسی بن جائے کہ آتے یا جاتے یہ سعادت نصیب ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کوئی نہ کوئی ترتیب بنا ہی دیتے تھے۔

مضمون طویل ہو رہا ہے مگر حضرت کی یادیں ختم نہیں ہو رہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کیوں کہ ہمارے حضرت نے اپنی زندگی میں دین کی مختلف جہات میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔

وَمَا هُلْكُ قَيْسٍ هُلْكُهُ هُلْكُ وَاحِدٍ
وَلٰكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تَهَدَّمَا

ایک طرف حضرت جامعہ علوم اسلامیہ کے قدیم استاذ اور ناظم تھے ابتداء ہی سے جامعہ کی تعلیمی شوریٰ کے رکن تھے۔ ایک دفعہ حضرت خود فرمانے لگے کہ میرے ابتدائی تقرر کے زمانہ میں جب تعلیمی کمیٹی کوئی مشورہ کرنے بیٹھتی تو مفتی ولی حسن صاحب فرمایا کرتے ''یہ اچھا آدمی ہے اس کو بھی بٹھاؤ''۔ آپ حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا حبیب اللہ مختار شہید نور اللہ مراقدھما کے خصوصی معتمد تھے۔

حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب کی شہادت کے بعد آپ جامعہ کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب متعنا اللہ بطول بقائہ فینا کے دست و بازو بنے اور حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب کی بیماری اور پھر رحلت کے بعد جامعہ کے ناظم تعلیمات مقرر ہوئے اور جامعہ اور شاخہائے جامعہ میں تعلیم کے اسی معیار کو برقرار رکھنے کے لیے شب و روز کوشاں رہے جو جامعہ کا خصوصی امتیاز ہے، تو دوسری جانب آپ تادمِ رحلت کراچی کی مرکزی مسجد جامع مسجد صالح جہانگیر پارک کے امام و خطیب بھی رہے۔ بندہ کے اندازے کے مطابق شاید کراچی شہر میں جمعہ میں سب

سے زیادہ نمازی اسی مسجد میں ہوتے ہیں۔

الحمدللہ بندہ کو بھی حضرت کی نیابت میں اس مسجد میں جمعہ اور عید پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اور بندہ نے حضرت سے عرض بھی کیا کہ آپ کی مسجد میں جمعہ پڑھانے کا بڑا لطف آتا ہے کہ بیان شروع ہونے سے پہلے ہی مسجد بھر جاتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ہمارے استاذ جی کے اخلاص ہی کا ثمر تھا کہ آپ کی سیدھی سادھی لیکن دل میں اُتر جانے والی تقریر کو سننے کے لیے مجمع پہلے ہی سے مسجد میں آبیٹھتا تھا اور اسی مسجد سے اللہ تعالیٰ نے حضرت سے اس مقبول کام کی ابتداء کرائی جسے لوگ ''تعلیم وتربیت کورس'' کے نام سے جانتے ہیں اور الحمدللہ دنیا کے کئی ممالک میں آج یہ کورس پڑھایا جارہا ہے۔

حضرت کے دل میں یہ ارمان اور خواہش تو تھی کہ نئی نسل سے دین کی دوری ختم ہو۔ ابتدا ہی سے ان کی تربیت دینی رُخ پر ہوسکے، ان کے دلوں میں دین کی محبت اور عظمت ہو اور اس سلسلہ میں مولانا حتی الوسع کوشش بھی فرماتے تھے اور اپنی مسجد میں اس سلسلہ میں کوئی نہ کوئی نظم بھی بناتے تھے۔

لیکن مولانا کی آرزو یہ تھی کہ اس سلسلہ میں کوئی ایسی ترتیب بنائی جائے جس کے نتائج دوررس ہوں پہلے قدم کے طور پر حضرت استاذ محترم نے اسکول وکالج کی گرمیوں کی تعطیلات میں اپنی مسجد میں اس کورس کا آغاز کیا جس میں قریبی دکانداروں کے بچوں نے داخلہ لیا اور یوں پڑھائی کا آغاز ہوا۔

بندہ اس وقت غالباً درجہ خامسہ یا سادسہ کا طالب علم تھا۔ استاذ جی کی دوررس نگاہوں نے اس کورس کی افادیت کو بھانپ لیا تھا لہٰذا حضرت نے اپنے تعلق رکھنے والے طلبہ اساتذہ اور دیگر متعلقین کو اس کورس کی طرف متوجہ فرمایا اور اس سلسلہ میں اس سے آئندہ سال بندہ اور کچھ طلبہ کو جامع مسجد محمدی فیڈرل بھی ایریا بلاک ۱۷ بھیجا جہاں حضرت کے کچھ متعلقین نے جن کا تعلق گودھرا برادری سے تھا، کورس کا انتظام کیا ہوا تھا۔

آہستہ آہستہ اس کورس کے مراکز میں اضافہ ہوا۔ مولانا ایسے تمام لوگوں کی سرپرستی فرماتے ان کے مراکز میں تشریف لے جاتے ان کا حوصلہ بڑھاتے۔ رفتہ رفتہ اس بات کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ اس کورس کے لیے مختلف عمر کے طلبہ کے معیار کے مطابق مختلف کتابیں ہونی چاہئیں، مولانا نے اس پر کام شروع کیا۔

بندہ بھی ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہے جن پر حضرت استاذ محترم نے اعتماد فرمایا اور ان کو شامل کار فرمایا۔ حضرت مفتی نظام الدین صاحب شامزئی نور اللہ مرقدہٗ بقید حیات تھے حضرت نے بھی بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور یوں اس کورس کی تالیف کا حتمی کام شروع ہوا۔

بڑے سہانے دن تھے دارالتصنیف میں حضرت استاذ جی اور ہم چند طلبہ اور اساتذہ

ہوتے اور حضرت ایک ایک عبارت، جملہ اور لفظ لفظ پر بحث فرماتے اور اچھی طرح مطمئن ہوکر اسے کتاب میں شامل فرماتے۔

کتاب کی تکمیل پر حضرت کی مسرت کا عالم دیدنی تھا یہ حضرت کی للّٰہیت، اخلاص اور جامعہ کی برکات ہی ہیں کہ آج یہ کورس کئی ممالک میں پڑھایا جارہا ہے۔ اس درجہ عظیم خدمت کے بعد حضرت کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ اس کو بھی پسند نہیں فرمایا کہ اس کتاب میں حضرت کا تذکرہ بھی ہو۔ حقوق طباعت بھی جامعہ کے دارالتصنیف کے حوالے فرمائے اور ایسے ہوگئے گویا اس عظیم خدمت میں ان کا کوئی کردار ہی نہ ہو۔ میری ناقص رائے میں تو حضرت کا یہ تجدیدی کارنامہ ہی ان شاء اللہ ہمیشہ حضرت کے تذکرہ خیر کا ذریعہ بنا رہے گا۔

موت تو برحق ہے اس سے کسی کو مفر نہیں جو آیا ہے جانے کے لیے آیا ہے لیکن ہمارے حضرت ان شاء اللہ ہمیشہ اپنے ان دینی آثار کی شکل میں ہم میں موجود رہیں گے۔ آج حضرت کے خدام، حضرت کے تلامذہ جہاں جہاں بھی دینی خدمات میں مشغول ہیں، ان کی ان خدمات کے اجر میں حضرت مولانا کا پورا پورا حصہ ہے کیوں کہ استاذ جی نے ہمیشہ ان کی راہنمائی فرمائی ہے حوصلہ بڑھایا ہے۔ دین کے لیے سب کچھ لگا دینے کا جذبہ ان میں پیدا کیا ہے۔ اگر میں اپنی ہی بات کروں تو میرا اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ سے منسلک ہونا وہاں خدمات انجام دینا اس میں حضرت کی توجہات، سرپرستی شامل ہے۔ یہ حضرت ہی تھے جنہوں نے تخصص کے زمانہ میں مجھے اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ سے منسلک ہونے کی اجازت دی۔ اور فرمایا کہ یہ تو ہمارے ہی بزرگوں کا ادارہ ہے اس کی خوب خدمت کرو۔

اس عظیم سانحہ سے ایک ہی دن قبل مؤرخہ 19/اپریل بروز جمعرات میری ہمشیرہ کے ولیمہ میں حضرت تشریف لائے تھے، بڑا ہی پرمسرت موقعہ تھا عصر کے بعد بندہ نے حضرت سے موبائل پر رابطہ کیا تو حضرت نے فرمایا کہ میں ضرور آؤں گا اور میرے ساتھ مولانا عرفان صاحب اور دیگر حضرات بھی ہوں گے۔ جامعہ کے اساتذہ میں سے حضرت مولانا امداد اللہ صاحب اور حضرت مفتی عاصم ذکی صاحب دامت برکاتہم بھی اس دعوت میں تشریف لائے۔

کھانا شروع ہونے میں حضرت مولانا شہید کا انتظار کیا جارہا تھا بندہ کے رابطہ کرنے پر حضرت نے فرمایا کہ ہم ناظم آباد پہنچ چکے ہیں لیکن آپ ہمارا انتظار نہ کیجیے کھانا شروع کروادیجیے۔ بندہ نے تعمیل ارشاد میں ایسا ہی کیا۔

تھوڑی ہی دیر میں حضرت تشریف لے آئے ہم استقبال کے لیے دروازے پر آئے تو سلام کے بعد حضرت نے فوراً کھانے کے بارے میں پوچھا کہ شروع کردیا کہ نہیں؟ بندہ نے عرض کیا حضرت! الحمدللہ آپ کے حکم کی تعمیل ہوچکی ہے۔ اس پر حضرت نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ اگر میں

یہ کہوں کہ مولانا اس تقریب میں بطور مہمان نہیں بلکہ بطور میزبان شامل ہوئے تھے تو غلط نہ ہوگا کیوں کہ اس نکاح، رخصتی اور ولیمہ میں شروع سے آخر تک حضرت مولانا کی سرپرستی ہمیں حاصل رہی۔

حضرت مولانا عطاء الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا امداد اللہ صاحب، مفتی عاصم ذکی صاحب، مولانا عرفان صاحب میرے والد محترم اور دیگر حضرات ایک ہی جگہ بیٹھ کر کھانا تناول کررہے تھے اور دل بستگی کا ایک دور دورہ تھا۔

کیا معلوم تھا کہ یہ حضرت کی آخری زیارت ہے اور اب قیامت تک یہ آنکھیں حضرت کی زیارت سے محروم رہیں گی۔ کافی دیر تک یہ حضرات اس دعوت میں شریک رہے اور پھر اپنی اپنی منزل کو روانہ ہوگئے اور اس کے بعد تو حضرت وہاں تشریف لے گئے جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی سعید روح کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور جامعہ اور دین کے جس جس شعبہ میں حضرت کے جانے سے خلا واقع ہوا ہے اپنے کرم سے اس خلا کو پر فرمائے، حضرت کے اعزہ، حضرت کے والدین، جامعہ کے اساتذہ اور طلبہ کو صبر کی توفیق نصیب فرمائے، خصوصیت سے اللہ تعالیٰ میرے استاذ محترم مولانا امداد اللہ صاحب کو صبر نصیب فرمائے کہ مولانا مرحوم سے حضرت کی رفاقت کئی عشروں پر محیط تھی اور اب حضرت کے چلے جانے کے بعد وہ تنہا رہ گئے ہیں۔ اس حادثہ میں جن جن گھرانوں پر قیامت ٹوٹی ہے اللہ سب ہی کو اپنے شایانِ شان بدلہ نصیب فرمائے۔

حق تلفی ہوگی اگر مولانا کے اس تذکرے میں اپنے دوست مولانا عرفان صاحب شہید نور اللہ مرقدہٗ کا تذکرہ نہ کروں کہ وہ اب استاذ جی کے صاحب فی المزار بھی ہیں۔ مولانا عرفان صاحب کو ہمارے استاذ محترم سے بہت محبت تھی اور انہوں نے اپنا آپ گویا استاذ جی کے لیے وقف کررکھا تھا، جب کہ دوسری جانب استاذ جی کو بھی مولانا مرحوم سے بہت لگاؤ تھا۔ جب بھی مولانا مرحوم پر استاذ جی کی شفقت دیکھی تو ہمیشہ رشک آیا۔ کہتے ہوئے تو عجیب سا لگتا ہے لیکن کہہ ہی دیتا ہوں کہ اگر مولانا عرفان مرحوم اس حادثہ میں شہید نہ ہوئے ہوتے تو حضرت کی جدائی کے صدمہ میں چل بستے۔ لیکن اللہ نے ان کو اس غم سے محفوظ رکھا اور حضرت کے ساتھ ان لازوال نعمتوں میں شریک کرلیا جو خاص اسی کی عطا اور دین ہیں۔

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

یہ شعر جس کے لیے بھی کہا گیا ہو بہر حال ہمارے مولانا عرفان صاحب نور اللہ مرقدہٗ اس کے مصداق ٹھہرے ہیں۔ اللہ ان کے پسماندگان کو بھی صبر جمیل نصیب فرمائے۔